پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

ابتدائیہ

مسلم دنیا میں پائی جانے والی انقلابی تبدیلی کی لہر نے مغربی محققین کو خصوصاً اور مسلمان مفکرین کو عموماً اسلامی نظام کے مختلف پہلوؤں پر نئے سرے سے غور کرنے اور حالات حاضرہ کے تناظر میں اسلام کے سیاسی نظام پر نظر ڈالنے پر مجبور کر دیا ہے۔ آج مغرب سے طبع ہونے والے سنجیدہ علمی جرائد ہوں یا حالاتِ حاضرہ سے متعلق معلوماتی رسالے ان میں اسلامی ریاست، ''سیاسی اسلام''، اسلامی ریاست میں خواتین اور غیر مسلموں کے حقوق اور اسلامی ریاست میں علماء کے کردار پر مسلسل بحث کی جارہی ہے۔ اس تناظر میں اسلام کا بین الاقوامی قانون ایک اہم اور قابل توجہ موضوع ہے۔

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی اردگرد بسنے والے یہودی قبائل کے ساتھ اس ریاست کے تعلقات کا مسئلہ ابھر کر سامنے آیا۔ میثاق مدینہ کی شکل میں جو دستاویز تیار کی گئی وہ آج بھی بین الاقوامی تعلقات کے لیے رہنما اصول فراہم کرتی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم اسے ''دستورِ مدینہ'' کا نام دیتے ہیں، جس سے بعض اوقات یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اس دستاویز میں شہریوں کے سیاسی، معاشی، تعلیمی، دینی، دفاعی اور بین الاقوامی امور سے بحث کی گئی ہوگی اور اس کو سامنے رکھتے ہوئے بعد میں وجود میں آنے والی اسلامی ریاستیں اسے بطور رہنما استعمال کرتی رہی ہونگی۔ حقیقت واقعہ ایسی نہیں ہے۔

اس اہم دستاویز میں کچھ پہلو مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، اولاً میثاق مدینہ مہاجرین وا نصار کو امت مسلمہ قرار دیتے ہوئے اخوت دینی کو معاشرہ کی بنیاد قرار دیتا ہے، ساتھ ہی

مدینہ منورہ کے قرب وجوار میں بسنے والے یہودی قبائل کو مدینہ کی شہری ریاست کے شہریوں کی حیثیت وسیع تر مفہوم میں امت بمعنی سول سوسائٹی تعبیر کرتا ہے۔ گویا مدینہ کی اسلامی ریاست کے تشکیل پا جانے کے بعد جس طرح مہاجرین وانصار کی جان، مال، عزت وتحفظ کی ذمہ داری اس نئی ریاست کی قرار پائی بالکل اسی طرح یہ ریاست یہودی قبائل کی جان، مال، عزت وتحفظ کی بھی امین ٹھہری۔ ثانیاً یہ میثاق مدینہ کی اسلامی ریاست میں حاکمیت کے حوالہ سے یہ اصول پیش کرتا ہے کہ قانونی اور دفاعی معاملات میں فیصلہ کن اختیار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگا۔ گویا میثاق مدینہ کی رو سے یہودی قبائل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کا فرماں روا اور فیصلہ کن حاکم ہونا تسلیم کرلیا۔ جبکہ ماضی میں یہ یہودی قبائل اپنے انصاری حلیف قبائل کے سہارے فیصلہ کن حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ ثالثاً اس میثاق نے خود یہود کے اندر پائے جانے والے بے ضابطہ طرزِ عمل کو ختم کر دیا خصوصاً یہود کے بعض قبائل کا دوسرے یہودی قبائل کے مقابلہ میں افضل ہونا۔ چنانچہ قانونی معاملات میں رخصتوں سے فائدہ اٹھانے کا خاتمہ کرتے ہوئے، نام نہاد برتر اور کم تر قبائل کو قانون کی نگاہ میں یکساں حقوق کا مستحق قرار دیا گیا۔ رابعاً میثاق مدینہ کے ذریعہ شہریوں کی حیثیت سے یہودیوں کو مدینہ پر کسی حملے کی صورت میں دفاع کرنے کی ذمہ داری میں برابر کا شریک بنایا گیا اور جنگی اخراجات میں ان کی شرکت پر اتفاق کیا گیا۔ اس طرح گھر کے مخبر کو دستوری اور قانونی طور پر امت مسلمہ کے مفاد سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی۔

بلاشبہ میثاق مدینہ ایک اہم بین الاقوامی نوشتہ ہے لیکن اسے دستور مدینہ کا نام دے دینا شاید قدرے مبالغہ ہے۔ مدینہ کی ریاست کا اصل دستور تو قرآن وسنت تھے اور انہی کی روشنی میں یہ دستاویز مسلم اور اہل کتاب شہریوں کے مسائل ومعاملات کو پُر امن طور پر حل کرنے کے لیے تیار کی گئی تھی۔ ۵ ہجری کے بعد جب ان یہود قبائل کے ساتھ جنگ وجدل

کے بعد انہیں مدینہ منورہ سے بے دخل کر دیا گیا، اس میثاق کا بڑا حصہ غیر موثر ہو گیا کیونکہ مہاجرین وانصار کے تعلقات کی اصل بنیاد تو قرآن وسنت تھے نہ کہ میثاق مدینہ۔

دورجدید میں بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت کیا میثاق مدینہ کی بنیاد پر ہوگی یا قرآن و سنت ان تعلقات کے لیے رہنما اصول فراہم کریں گے، قرآن کریم میں جزیہ کے احکام کے آجانے کے بعد میثاق پر کس حد تک عمل ہوگا؟ ایک تکثیری (pluralistic) سوسائٹی میں مسلمانوں، غیر مسلموں، اہل کتاب اور دیگر افراد کے حوالہ سے قرآن وسنت کیا کہتے ہیں؟ ہمیں ان سوالات کے جواب اسلامی مصادر ہی میں تلاش کرنے ہوں گے۔

یہ بات کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ اسلامی ریاست شہریوں کے بنیادی حقوق میں کوئی تفریق نہیں کرتی۔ ایک مسلمان اور غیر مسلم کی جان، مال، عزت وشہرت اور مذہبی آزادی میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ اگر غیر مسلم خصوصاً اہل کتاب یہ پسند کریں کہ ان کے دیوانی اور فوجداری قضیوں کو اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کیا جائے تو وہ ریاست سے اس کی درخواست کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی اگر وہ چاہیں کہ ان کی کتب مقدسہ کی روشنی میں فیصلہ ہو تو وہ اس کا بھی پورا حق رکھتے ہیں۔ گویا بنیادی حقوق میں یکسانیت کے باوجود ایک pluralistic معاشرہ میں اسلامی ریاست مذہبی اقلیات کے معاملات کو ان کی پسند کے مطابق طے کرواتی ہے اور ملک میں شریعت کے نفاذ کے باوجود ان کی مذہبی آزادی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

جزیہ کے بارے میں خصوصاً ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ یہ کوئی ایسا ٹیکس ہے جو غیر مسلم ذمیوں کو زیر بار کر دیتا ہے اور اس بنا پر وہ ثانوی شہری بن جاتے ہیں۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جزیہ زکوٰۃ کا بدل ہے چنانچہ ہر صاحب ایمان کی پس انداز کردہ دولت پر اگر وہ نصاب سے زائد ہو اپنے ایمان کی تکمیل کے لیے بطور عبادت وہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ

کی اس رقم کو جن افراد سے وہ لی گئی ہے انہی پر (یعنی مسلمانوں پر) قرآن کریم کی مقرر کردہ مدات میں خرچ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرض داروں کی نجات کے لیے، غلاموں کی آزادی، غرباء کی ضروریات پوری کرنے کے لیے، مسافروں کے لیے اور اللہ کے راستہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے اس کا استعمال کرنا معاشرتی فلاح وترقی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح جزیہ جن سے لیا جاتا ہے وہ ان کی فلاح پر خرچ ہوتا ہے اور اگر مقابلہ کیا جائے یہ زکوٰۃ کے مقابلہ میں انتہائی ہلکی شرح رکھتا ہے، جس سے کسی پر بوجھ نہیں پڑ سکتا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک مجوسی یا یہودی کو بھیک مانگتے پایا معلوم کرنے پر پتا چلا کہ وہ جزیہ ادا کرنے کے لیے ایسا کر رہا ہے۔ آپ نے فوری فیصلہ دیا کہ ایسے تمام ذمی جو معمر ہوں اور کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتے ہوں۔ انہیں نہ صرف جزیہ سے مستثنیٰ کیا جائے بلکہ انہیں معاشی امداد فراہم کی جائے تاکہ وہ سہولت کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

اسلام کا بین الاقوامی قانون ان اقوام کے ساتھ بھی، جو اسلامی ریاست کی حدود سے باہر رہتی ہوں، عدل اور حقوق انسانی کی بنیاد پر تعلقات کی تشکیل کرتا ہے۔ چنانچہ ہمسایہ ریاستوں کے ساتھ جو معاہدے کیے جائیں انہیں پوری ذمہ داری کے ساتھ پورا کرنا اور جنگ کی صورت میں اسلامی جنگی اخلاقیات کا خیال رکھنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ جنگ کی صورت میں غیر جنگجو شہریوں پر کسی قسم کی قوت کا استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ فاتح ہونے کی شکل میں بھی خواتین بچے اور بوڑھے مامون قرار پاتے ہیں اور صرف ان کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے جو مقابلہ پر آئیں۔ ایسے ہی جہاد کے سلسلہ میں عموماً یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ یہ حصولِ مال یا توسیعی عزائم کی تکمیل یا لوگوں کو مسلمان بنانے کے لیے کیا جاتا ہے جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ قرآن کریم میں جہاد کا بنیادی مقصد حقوق انسانی کی بحالی ہے چنانچہ اگر کسی مقام پر عوام کو مستضعفین فی الارض (کمزور اور بے

بس) بنا دیا گیا ہوتو اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ایسے افراد کے حقوق کی بحالی کے لیے جہاد کا اعلان کرے اور اپنے وسائل کو استعمال کرے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی انسانوں کو ظلم و استحصال کا نشانہ بنایا جارہا ہوتو اسلامی ریاست ایک خاموش تماشائی بن کر نہیں بیٹھ سکتی۔ قرآن کی روشنی میں بطور ایک اخلاقی اور قانونی فریضہ کے مظلوموں کی حمایت اور ان کی نجات کے لیے جہاد کرنا اس پر فرض کر دیا گیا ہے۔

جہاد گویا اس منظم جدو جہد کا نام ہے جس میں اصل مقصد فتنہ و فساد کا خاتمہ، ظلم و استحصال سے نجات اور زمین پر نظامِ عدل و احسان کا قیام ہو۔ چنانچہ قرآن کریم بار بار یاد دہانی کراتا ہے کہ فتنہ وفساد کو دور کرنے کے لیے جہاد کرو اور اس وقت تک کرو جب تک ظلم اور طاغوت باقی ہو۔ گویا اصل مقصد ظلم، طاغوت اور استحصال کو ختم کرنا ہے۔ اس کا مقصد افراد کو نشانہ بنانا نہیں ہے۔ یہ نظام باطل کے خلاف جدو جہد کا نام ہے۔

عصر حاضر میں اسلامی شریعت کے مفہوم، مسلم اکثریتی ممالک میں نفاذ شریعت اور مسلم اقلیتوں میں شرعی احکام کی حیثیت، اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق، غیر مسلم ہمسایہ ممالک کے ساتھ اسلامی ریاست کے تعلقات کی نوعیت جیسے اہم مسائل پر اسلامی مصادر کی روشنی میں تحقیقی مواد کی تیاری ایک اہم ضرورت ہے۔ زیر نظر مجموعہ خطابات اس لحاظ سے ایک قیمتی سرمائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس روایت کو مزید آگے بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ مغربی اور مغرب زدہ قارئین کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کا علمی جواب فراہم کیا جاسکے۔